28

جب قرآن کریم کہتا ہے کہ حزب اللہ غالب ہوگا تو ہم کس طرح اس کے خلاف کہہ سکتے ہیں

(فرمودہ 14راگست 1953ء بمقام ناصر آباد۔ سندھ)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''دنیا میں دو قسم کی حکومتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک عقل اور سمجھ سے کام لینے والی اور دوسری زور اَور طاقت سے کام لینے والی۔ ہر زمانہ کے محاورے الگ الگ ہوتے ہیں۔ آج کل جو حکومت عقل اور سمجھ سے کام لے اُس کو جمہوریت کہتے ہیں اور جو حکومت زور اور تشدد اور طاقت سے کام لے اُس کو ڈکٹیٹر شپ یا ہٹلرازم بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر نام خواہ کچھ ہی ہو جب سے دنیا بنی ہے یہ دونوں طاقتیں کام کرتی آ رہی ہیں۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے یہ کام شروع ہوا اَور اب تک جاری ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کی اللہ تعالیٰ نے قربانی قبول کر لی اور دوسرے کی رد کر دی[1]۔ ایک کے پیچھے اخلاص اور تقویٰ تھا اس لیے اُس کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی کے پیچھے چونکہ اخلاص اور تقویٰ نہیں تھا اس لیے وہ ردّ ہوئی۔ اب دانائی تو یہ تھی کہ دوسرا شخص جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی اپنے اندر تقویٰ، عجز اور انکسار پیدا کرتا، اور سمجھتا

کہ اس کی قربانی خدا نے رد کی ہے، اس کے بھائی کی وجہ سے ردّ نہیں ہوئی۔ مگر وہ لٹھ لے کر اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا2۔ اگر یہ شخص عقل اور دانائی سے کام لیتا اور خدا تعالیٰ سے معافی مانگتا تو خدا تعالیٰ اس کی قربانی بھی قبول کر لیتا۔ لیکن بجائے اِس کے کہ وہ خدا تعالیٰ سے معافی مانگتا، اُس نے یہ سمجھا کہ اس کے بھائی کی وجہ سے اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی چنانچہ اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ گویا جو خدا تعالیٰ کا فعل تھا وہ اس نے اس کی طرف منسوب کیا۔ مگر اس کے بھائی نے دلیل والا طریق اختیار کیا اور کہا کہ میں تجھے مارنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ قربانی قبول کرنا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تجھے اس بات پر غصہ آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تیری قربانی قبول کیوں نہیں کی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں تو اپنے آپ کو ایک عاجز بندہ سمجھتا ہوں۔ یہ فطرت پرانے زمانہ کی تھی۔ اس وقت نہ ڈکٹیٹر شپ کے الفاظ تھے نہ جمہوریت کے مگر وہ روح موجود تھی جس سے یہ دونوں چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ یہ روح جب سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں یا دنیا پیدا ہوئی ہے متوازی چلی آ رہی ہے۔ دنیا میں ایک طبقہ ایسا چلا آیا ہے جو ہمیشہ حق اور انصاف کا قائل ہوتا ہے اور دوسرا اپنے زور اور طاقت پر فخر کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بہرحال ہم نے اپنی مرضی پوری کرنی ہے۔ اگر لوگ ہماری مرضی کے مطابق نہ چلیں گے تو ہم حکومت، جتھا اور طاقت سے دوسروں کو سیدھا کر دیں گے اور اپنی مرضی چلائیں گے۔

مشہور ہے کہ ایک بھیڑیا اور بکری کا بچہ ایک ندی کا پانی پی رہے تھے۔ بھیڑیا اس طرف تھا جس طرف سے پانی آ رہا تھا۔ بھیڑیے نے جب اس کا نرم نرم گوشت دیکھا تو اس کا جی چاہا کہ اسے کھا لے چنانچہ اس نے غصہ سے اسے کہا کہ تم میرے پانی کو گدلا کیوں کر رہے ہو؟ بکری کے بچے نے کہا کہ حضور! میں پانی گدلا نہیں کر رہا کیونکہ پانی تو آپ کی طرف سے آ رہا ہے۔ اس پر بھیڑیے نے اس کے زور سے تھپڑ مارا۔ اور یہ کہتے ہوئے اُسے چیر پھاڑ دیا کہ کم بخت! آگے سے جواب دیتا ہے۔ گویا پہلے اس نے ایک غلط دلیل دی اور جب اسے اپنی غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو اس نے دوسرا بہانہ بنا لیا کہ آگے سے جواب دیتا ہے اور اسے مار ڈالا۔

یہی حال احمدیت کے دشمنوں کا ہے۔ جب ان کے سوالوں کا ہماری جماعت کے دوست جواب دیتے ہیں تو وہ شور مچا دیتے ہیں کہ ہمیں اشتعال دلاتے ہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نے دعویٰ کیا تو مولویوں نے آپ پر کفر کے فتوے لگائے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار ان لوگوں سے کہا کہ میرا کیا قصور ہے میں تو اسلام کی تعلیم ہی پیش کرتا ہوں۔مگر مولوی اپنی مخالفت میں بڑھتے چلے گئے۔ چنانچہ 1891ء میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے سارے ملک کا دَورہ کیا اور مولویوں سے کفر کا فتویٰ لے کر شائع کروایا۔جس میں آپ کو کافر، مرتد، دجال، نمرود، شدّاد، فرعون اور ابلیس وغیرہ کہا گیا۔ پھر یہ بھی کہا گیا کہ ان کی عورتیں بھگا لینا جائز ہے۔ان کی اولاد ولدالزنا ہے اور ان کو مسجدوں میں داخل ہونے دینا منع ہے۔ بلکہ قبرستانوں میں ان کو دفن کرنے کی بھی اجازت نہیں۔غرض جو کچھ ممکن تھا وہ انہوں نے کیا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ میں تو اسلام کو زندہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میں تمہارا کیا بگاڑتا ہوں؟ مگر اس پر بھی لوگ باز نہ آئے اور وہ متواتر دس سال تک گالیاں دیتے چلے گئے۔اس پر 1901ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ اس حدیث کے مطابق کہ ایک مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے3۔ مجھے کافر قرار دینے والے خود کافر ہو چکے ہیں4 یہ سن کر مولویوں نے پھر شور مچا دیا کہ ہم پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔اَور یہی شور اب تک مچایا جا رہا ہے۔کوئی نہیں سوچتا کہ پہلے فتوے لگانے والے کون تھے۔اور انہوں نے ہم کو کیا کچھ کہا۔ ہم نے تو اس کا 1/80 حصہ بھی کسی کو کچھ نہیں کہا۔جس قدر کہ ان مولویوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں کہا ہے مگر پھر بھی یہ سیخ پا ہوئے جاتے ہیں۔اگر ہم کو کافر، دجال، ملحد، ابلیس، شدّاد، فرعون اور ابوجہل وغیرہ کہنا اُن کے لیے جائز ہو گیا تھا۔تو کیا ان کے ایسا کہنے سے اشتعال پیدا نہ ہوتا تھا؟ حقیقت یہی ہے کہ ان لوگوں کو اپنی کثرت اور طاقت پر گھمنڈ ہے۔ جیسے بھیڑیے نے بکری کے بچے کو کہا تھا کہ آگے سے جواب دیتا ہے؟ وہی سلوک ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

گزشتہ شورش کے دنوں میں مَیں نے کہا تھا کہ خدا ہمیں فتح دے گا۔اس پر حکومت نے سیکیورٹی ایکٹ کے ماتحت مجھے کہا کہ تمہاری زبان بندی کی جاتی ہے کیونکہ تم نے اشتعال دلایا ہے۔حالانکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کوئی مصلح ایسا نہیں ہوا جس نے اصلاح کا دعویٰ کیا ہو اور پھر یہ کہا ہو کہ میں ہاروں گا۔ ہر ایک نے یہی کہا ہے کہ میں جیتوں گا۔قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ 5 ۔اب کیا قرآن کریم نے اپنے ان الفاظ میں غیر مسلموں کو اشتعال دلایا ہے؟ پھر ہمارا کیا قصور ہے؟ ہمارا یہی قصور ہے کہ ہم نے خدا کی بات کہی کہ ہم حزب اللہ ہیں اور سچے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہم غالب آئیں گے۔ دنیا میں ہر شخص اپنے آپ کو ایمان دار اور صالح قرار دیتا ہے خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔لیکن ان لوگوں نے خود ہٹلر والا قانون اختیار کر رکھا ہے۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ کسی ظالم سے ظالم حکومت نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ کہو ہم ہاریں گے اور ہم جھوٹے ہیں۔ جب قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ حزب اللہ غالب ہوگا تو پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہاریں گے۔ یہ بات قطعی طور پر ناممکن ہے کیونکہ ایسا ہم اُس وقت کہہ سکتے ہیں جب کہ ہم اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کریں۔سو ہمارا قصور اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ قرآن کریم کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ ہم غالب آئیں گے۔لوگوں نے سختیاں دوسروں پر بھی کی ہیں۔لیکن کسی کو یہ کہنے کے لیے مجبور نہیں کیا کہ تم کہو کہ ہم جھوٹے ہیں۔سو اگر خدا تعالیٰ نے اپنی جماعت کو کہا ہو کہ تم جیتو گے تو اس میں ہماری کیا غلطی ہے کہ ہم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ گو کھلے لفظوں میں نہیں لیکن مطلب یہی ہوتا ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم جیتیں گے بلکہ یہ کہو کہ ہم ہارنے والے ہیں۔مگر ہم نے تو قرآن کی بات ماننی ہے لوگوں کی نہیں۔قرآن کریم کے مطابق ہم یہی کہتے ہیں کہ ہم حزب اللہ ہیں اور ہم جیتیں گے۔ اور اگر یہ لوگ ہم سے کہیں کہ نعوذ باللہ خدا اور رسول جھوٹے ہیں تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ہم تو وہی کہیں گے جو قرآن کہتا ہے۔اور پھر یہ بھی غلط ہے کہ اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، خواہ کسی کو اچھا لگے یا بُرا لگے۔ جو اس کو بُرا مناتا ہے تو قرآن کریم کی آیت کو بدل دے۔مگر جب تک قرآن کریم کی آیت موجود ہے ہم یہی کہتے رہیں گے۔ کوئی ان مخالفوں سے تو پوچھے کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ہاریں گے؟ پس ہمارے حزب اللہ کے کہنے میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اِس سے اُن کے دل جلتے ہیں تو جلتے رہیں۔ خدا کے حکم ٹلا نہیں کرتے حزب اللہ بہر حال جیتیں گے۔ اگر اِس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے تو وہ اعلان کر دیں کہ وہ ہاریں گے، وہ دنیا میں نہیں پھیلیں گے۔اور اگر وہ یہ کہہ بھی دیں تو وہ دیانتدار نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حزب اللہ جیتا کرتا ہے اور وہ اپنے آپ کو حزب اللہ سمجھتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں وہ حکام جو ان کی پیٹھ پر ہیں وہ بھی بددیانت ہیں۔

وہ جن کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں وہ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جیتیں گے۔ خدا کے حکم کو چھپانے والا مردود ہوتا ہے۔ پس ہم جیتیں گے خواہ ہمارا ایسا کہنا کسی کو بُرا لگے۔ اگر وہ دیانتدار ہیں تو کہہ دیں کہ وہ ہاریں گے۔ اور اگر وہ ایسا کہہ دیں تو بیشک ہم ان کو دیانت دار سمجھ لیں گے۔

اِس ہفتہ ہم انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ محمد آباد اور احمد آباد کے راستہ سے جائیں گے کیونکہ اس طرف اکثر جماعتیں ہیں۔ منگل کے روز ہم بارہ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوں گے۔ دوستوں کی اطلاع کے لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔'' (الفضل 13/اکتوبر 1953ء)

1، 2: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ (المائدة:28)

3: مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان (الخ)

4: تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 433 کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن 2008ء

5: المائدۃ:57